لعب ولہو، زینت، تفاخر اور تکاثر کو غالب نہ آنے دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ / اکتوبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنی پڑھیں:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ
بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ
اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ
اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۱﴾
سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۲﴾ (الحدید: ۲۱-۲۲)

اور پھر فرمایا:

یہ سورۃ الحدید کی دو آیات ۲۱ اور ۲۲ ہیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان آیات میں

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی زندگی اور اس کی دلچسپیوں اور اس کے ماحصل کا بہت ہی مختصر لیکن جامع الفاظ میں خلاصہ پیش فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ زندگی جس کے لئے انسان اپنی تمام تر توجہات ضائع کر دیتا ہے۔ تمام کوششوں اور تمام زندگی کی جدوجہد کا مقصود جس زندگی کو بنالیتا ہے وہ زندگی کھیل ہے اور لَہْوٌ ہے اور زینت ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنے کا ذریعہ ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور ایک دوسرے سے زیادہ کثیر تعداد میں ان کے مالک بننے کا نام ہے۔

فرماتا ہے۔اس زندگی کی مثال ایسے بادل کی سی ہے جسکو دیکھ کر کافر یا زرّاع خوش ہوں اور وہ سمجھتے ہوں کہ ہمارے لئے اس سے بہت ہی اچھی نباتات نکلے گی۔ پھر حقیقتاً لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اس سے نمودار ہوں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ خشک ہو جائیں اور پھر تو ان کو زرد دیکھے یہاں تک کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کے بکھر جائیں اور انجام کار آخرت میں شدید عذاب ہو۔لیکن ساتھ ہی مغفرت بھی ہو اللہ کی طرف سے اور اس کی رضوان بھی ہو۔ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ دیکھو! دنیا کی زندگی ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں ۔اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑو۔ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ تا کہ تمہیں اپنے رب کی طرف سے مغفرت حاصل ہو اور ایسی جنت ملے جس کی قیمت یا جس کا حجم، دونوں لحاظ سے آسمان اور زمین کے برابر ہو۔ یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ خاص فضل ہے اللہ کی طرف سے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں زندگی کا جو خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔اس میں سب سے پہلے لعب رکھا ہے کھیل کود۔اور دنیا میں بسنے والے بہت سے انسانوں کی تعداد ایسی ہے جو زندگی کو محض کھیل کود اور ظاہری دلچسپیوں کے ذریعہ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ وَلَهْوٌ اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں تمام ایسی لذتیں جن کا انسانی شہوات سے تعلق ہو لہو میں آجاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زندگی میں اکثر انسان ان دو چیزوں کی پیروی ہی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں۔اور اس کے بعد نسبتاً زیادہ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ ان سے زیادہ توفیق دیتا ہے اگلے قدم پر، وہ زینت کے سامان مہیا کرتے ہیں۔ درجہ بدرجہ انسانی زندگی کو دنیا میں جتنی عظمت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے دنیا دار کی نگاہ میں، جتنا اس کو حاصل

ہونے لگتا ہے۔(دنیا کی اصطلاح میں) اسی قدر زیادہ وہ زینت کے سامان اپنے لئے پیدا کرتا ہے وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ اور زینت کے سامان اس کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ حقیقت میں مال کی ذاتی محبت میں وہ مبتلا ہو جاتا ہے اور مال کا مقصد صرف لہو ولعب یا زینت حاصل کرنا نہیں رہتا بلکہ آخر کار ان لوگوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مال کی ذاتی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے نتیجے میں، فخر کے حصول کے نتیجے میں وہ مال کو بھی بڑھانے لگتے ہیں اور اولاد کو بھی بڑھانے لگتے ہیں۔ یعنی فی ذاتہٖ یہ مقصود بن جاتے ہیں۔

اس سے مراد کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں تو انسانی زندگی کی تمام کجیاں اور تمام بے راہ رویاں اسی آیت کے اندر مذکور ہیں اور اس کا تجزیہ نہایت ہی پاکیزہ رنگ میں یہاں کر دیا گیا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی خرابیاں ہیں، جتنی بھی تباہیاں ہیں معاشرے کی، جتنی بھی انسانی بیماریاں ہیں ان سب کا تجزیہ اس مختصر آیت میں پیش فرما دیا گیا اور اعلیٰ اقدار سے روکنے کی جتنی بھی چیزیں ذمہ دار ہو سکتی ہیں ان سب کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔

آپ کھیل کود اور لہو ولعب سے بات شروع کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ وہ کم سے کم زندگی کا مطلوب ہے جو وسیع طور پر انسان کو حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس میں امیر اور غریب کا فرق ہوتا تو ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ غریب اس سے محروم رہ جائے۔ امیروں کو بہت ہی مہنگی اور اچھی قسم کی کھیلیں مہیا ہو جاتی ہیں۔ غریب کو معمولی کھیلیں مہیا ہو جاتی ہیں۔ کوئی اور بس نہیں چلتا، کرکٹ نہیں کھیل سکتا، ہاکی نہیں کھیل سکتا، فٹ بال نہیں کھیل سکتا تو کپڑے اتار کے کبڈی تو کھیل ہی سکتا ہے اور یہاں سے خدا نے بات شروع کی ہے جو انسانی زندگی کے بہت ہی وسیع پیمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اسی طرح نفسانی خواہشات کی پیروی میں بھی امیر وغریب برابر ہیں اس لحاظ سے کہ دونوں کا بس چلے تو کسی نہ کسی حد تک وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کر لیتے ہیں۔ لیکن کھیل کود سب سے عام ہے اور نفسانی خواہشات کی پیروی اس سے نسبتاً چھوٹے دائرہ کی ہے لہٰذا اس کا بعد میں ذکر فرمایا۔

زینت کا مقام اس کے بعد آتا ہے۔ اگر چہ ہر انسان کی خواہش ہے کہ میں زینت اختیار کروں لیکن زینت کا خاص تعلق نسبتاً زیادہ اموال سے ہے۔ جب زندگی کی ادنیٰ ضروریات پوری ہو جائیں تو پھر زینت کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ غربت کے ساتھ بعض دفعہ زینت کا تصور بھی مٹ

جاتا ہے۔جس غریب کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں، پیٹ بھر کے کھانا میسر نہیں، بچوں کے پہننے کے لئے کپڑے نہیں، اور بسنے کے لئے گھر نہیں ہے۔اس غریب کو زینت کی کیا ہوش ہوسکتی ہے۔ وہ تو بعض دفعہ خود اتنا گندا رہتا ہے کہ اس کے قریب سے بھی گزرو تو بدبو آنی شروع ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ انسانی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے زینت کو بعد میں رکھا۔فرمایا ایک ایسا طبقہ بھی ہے انسانوں کا جس کو ادنیٰ ضرورتیں مہیا ہو جاتی ہیں تو پھر وہ زینت کا خیال کرتا ہے۔

اور زینت کے ساتھ لازماً تفاخر کا تعلق ہے۔ جب انسان زینت اختیار کرتا ہے تو چاہتا ہے کے میں دوسرے کو دکھاؤں اور دوسرے سے بہتر نظر آؤں۔مختلف زبانوں میں یہ کہانیاں مشہور ہیں کہ بعض دفعہ عورتیں دکھاوے کی خاطر گھر جلوا بیٹھیں۔جس انسان کے اندر زینت آجائے اس میں بے اختیار تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنی زینت کا اظہار کرے اور دکھاوا کرے تو اس سے مضمون رخ بدل کر تفاخر میں داخل ہو جاتا ہے۔زینت کا حصول پھر فخر پیدا کرتا ہے اور انسان انسان پر اور قومیں قوموں پر فخر کرنے لگ جاتی ہیں۔

وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ یہاں تک کہ انسانی دولتیں جو کچھ بھی خرید سکتی ہیں وہ خریدنے کے باوجود، سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود پھر بھی حرص باقی رہ جاتی ہے۔اور وہ حرص فی ذاتہ مال کی محبت اور قومی بڑائی پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ انسان محض اس غرض میں مبتلا ہو جاتا ہے زیادہ دولت کے بعد کہ اسے اور دولت حاصل ہو۔اور یہ جو آخری بیماری ہے یہ بعض دفعہ اتنی شدت اختیار کر جاتی ہے کہ پہلے کی ادنیٰ چیزیں ذہن سے اتر جاتی ہیں اور غائب ہو جاتی ہیں۔ایسے لوگوں کو بعض دفعہ نہ کھیل کا شوق رہتا ہے، نہ لہو کا، نہ زینت کا، کسی اور رنگ میں نہ تفاخر کا۔صرف اور صرف پیسہ اکٹھا کرنا اور طاقت کا حصول ان کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔

یہاں اولاد کا جو ذکر فرمایا گیا کہ اولاد میں بھی تکاثر ہوتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آجکل کی دنیا میں تو اولاد پر نہ تفاخر ہوتا ہے نہ تکاثر۔کسی زمانے میں جب سوسائٹی ادنیٰ حالت پر تھی اسوقت، ہوسکتا ہے لوگ فخر کرتے ہوں کہ ہمارے بچے زیادہ ہیں۔آجکل کے زمانے میں تو بعض دفعہ بچوں کی تعداد پوچھو تو لوگ شرما جاتے ہیں۔جن کے سات آٹھ بچے ہوں یا دس گیارہ بچے ہوں وہ ذرا جھجک کے جواب دیتے ہیں۔تو قرآن کریم نے یہ کیا فرما دیا۔کیا تَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ

وَالْاَوْلَادِ اموال میں تو تکاثر ہے، اولاد میں تکاثر کیسے ہو گیا؟ اصل بات یہ ہے کہ انسانی زندگی جوں جوں ترقی کر رہی ہے اس کی اصطلاحیں بدلتی جارہی ہیں۔ جہاں فیملی یونٹ ٹوٹ رہے ہیں یعنی خاندانی تصورات مٹ رہے ہیں، وہاں قومی تصورات ان کی جگہ لے رہے ہیں اور تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کا یہاں یہ معنی ہو جائے گا کہ قومیں اپنی عددی برتری پر فخر کرتی ہیں اور ایک دوسرے پر عددی قوت کو بڑھانے کی کوشش کر رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ انسانی قوت کے لحاظ سے وہ دوسروں پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ بظاہر اس وقت ہر طرف فیملی پلاننگ کا حکم ہو رہا ہے حکومتوں کی طرف سے، لیکن قوموں کو گہری فکر اس بات کی لاحق ہو رہی ہے کہ ہم عددی لحاظ سے کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ روس کو یہ دھڑ کا لگا ہوا ہے کہ چین عددی قوت کے لحاظ سے ہم سے آگے نکل گیا ہے۔ امریکہ کو یہ دھڑ کا رہتا ہے کہ روس اور چین عددی قوت کے لحاظ سے ہم سے آگے نکل رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ اقتصادی لحاظ سے ان کو فیملی کا چھوٹا یونٹ زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے لیکن قومی نقطۂ نگاہ سے وہ اموال اور اولاد، دونوں کی کثرت کی خواہش رکھ رہے ہیں۔ چنانچہ روس کے متعلق جو تازہ معلومات ہیں، جو اعداد و شمار یورپ میں چھپ رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو سفید رشیا ہے اسکو بڑی شدید فکر لاحق ہو گئی ہے کہ وہ رشیا جو سفید فام نہیں اور جس کی اکثریت مسلمانوں کی ہے اس کی تعداد زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اگر وہ اور زیادہ بڑھ گئی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ڈیموکریٹک قوانین کے تابع یورپین رشیا پر بھی قبضہ کر لے اور اس بارے میں وہ بہت فکر مند ہے اور اس بارے میں تجویزیں سوچی جارہی ہیں کہ نان وائٹ رشیا (غیر سفید فام روس) کے غلبے کو کس طرح روکا جا سکے۔

تو تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ میں، جب اصطلاحیں بدلتی ہیں تو معنی بھی ساتھ بدل جاتے ہیں۔ زمانہ بدلتا ہے تو اور رنگ پیدا ہو جاتا ہے مراد یہ ہے کہ ایسا زمانہ بھی آ سکتا ہے کہ جب اولاد، سٹیٹ کی اولاد مراد ہو اور اموال، سٹیٹ کے اموال مراد ہوں۔ اس صورت میں تمام ریاست کے اموال اور تمام ریاست کی اولاد میں ایک دوسرے پر تکاثر کی کوشش ہو گی۔ چنانچہ جو اشتراکی ممالک ہیں ان میں اموال کے معنے بھی سٹیٹ کے اموال کے بن جاتے ہیں۔ ریاست کے اموال اور اس لحاظ سے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔

اور یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو انسان کے اندر بے راہروی پیدا کرتی ہیں اور اسے زندگی کے

اعلیٰ مقاصد سے ہٹا دیتی ہیں، اس کی توجہ پھیر دیتی ہیں اور معاشرے کی اکثر برائیوں کی بنیاد بن جاتی ہیں یہ چیزیں۔ چنانچہ کھیل کود اگر چہ ضروری ہے زندگی کیلئے، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کھیل کا ذکر فرمایا صحت کے لیے ورزش کرنا یا کھیلنا، یہ ساری چیزیں ضروری ہیں لیکن جب ان کی طرف زیادہ توجہ ہو جائے تو سنجیدگیاں مٹ جاتی ہیں اور کام کرنیوالی عظیم قومیں بھی بعض دفعہ کھیلوں کی طرف زیادہ راغب ہو کر اپنے مقاصد سے ہٹ جاتی ہیں۔ اب کھیلوں کے اندر صرف وہ کھیلیں نہیں ہیں جن کو ہم کھیلیں سمجھ رہے ہیں مثلاً گلی ڈنڈا یا کبڈی یا فٹ بال یا والی بال۔ ایسی ایسی کھیلیں دنیا ایجاد کر چکی ہے اور مفہوم اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ تفریحات کے لفظ کے اندر سیر و سیاحت بھی آجاتی ہے، Skating بھی آجاتی ہے، بڑے پہاڑوں پر چڑھنا۔ یہ ساری چیزیں شامل ہو جاتی ہیں۔ اب یورپ کے لئے کھیل کی طرف زیادہ توجہ ایک مصیبت بن رہی ہے، بلکہ ساری مغربی دنیا کے لئے۔ پہلے ساڑھے چھ دن کام کیا کرتے تھے۔ پھر چھ دن ہوا۔ اب پانچ دن کام رہ گیا ہے۔ اور پانچویں دن میں سے بھی آدھا دن وہ نسبتاً چھٹی کا گزار لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ پھر چھٹیاں لیتے ہیں اور بہت بڑا روپیہ کھیلوں پر خرچ ہو رہا ہے اور سیر و تفریح پر ضائع ہو رہا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اس میں صرف صحت کے تقاضے شامل نہیں ہیں بلکہ بات اس سے آگے بڑھ جاتی ہے اور اور سیر و تفریح یعنی لعب، لہو میں داخل ہو جاتی ہے اور لہو، لعب میں اور ایک جگہ جا کر دونوں ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں۔ چنانچہ آجکل جو کھیل کا تصور ہے اس میں بے حیائی اور بدمعاشی کا تصور بھی داخل ہو گیا ہے۔ جو سب سے گندا مزاج اور بدمعاش ہو اس کو Play Boy کہتے ہیں۔ جس کے اندر حیا کا کوئی تصور نہ پایا جائے اس کا اصطلاحی نام اب مغرب میں Play Boy بن گیا ہے۔ کھیلنے والا۔ اور جتنی بھی ایڈوانسڈ (Advanced) قسم کی، جدید قسم کی کھیلیں ہیں ان کے اندر بدمعاشی اور بے حیائی اس طرح رچ گئی ہے کہ بعض دفعہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ زندگی کی اعلیٰ اقدار سے غافل ہو جاتے ہیں۔ انسانی ہمدردی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اپنے مقاصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے غافل ہو جاتے۔

چنانچہ کھیل کا رجحان جہاں بھی حد سے تجاوز کرتا ہے، نفسانی خواہشات کی پیروی کا رجحان بھی ساتھ ہی بڑھتا ہے۔ وہاں مذہبی اقدار کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اپنے معاشرے میں بھی آپ دیکھ

لیجئے کہ جہاں جہاں بچوں میں لہو ولعب بڑھتی ہے وہاں نمازوں کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے، سنجیدگی کم ہونے لگ جاتی ہے، پڑھائی کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آپ دیکھیں گے کہ ٹیلیویژن کے اوپر لڑکے کرکٹ دیکھ رہے ہیں لیکن نماز کا اعلان ہوتا ہے، اذان ہوتی ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یعنی لعب غالب آجاتی ہے انکے اوپر اور جن لوگوں پر لعب غالب آتی ہے یعنی کھیل کی دلچسپیاں، یہ ان کی تقدیر ہے کہ وہ آہستہ آہستہ لہو میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ ایسا فطری جوڑ ہے کھیل کود میں ضرورت سے زیادہ انہماک کا، آوارہ مزاجی اور بے حیائی کیساتھ کہ ایک رجحان دوسرے میں خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔ انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ سنجیدگی پاکیزگی پیدا کرتی ہے اور کھیل کود کا مزاج بے حیائی پیدا کرتا ہے اور بے حیائی کیساتھ زینت کا تعلق ہے۔

چنانچہ جب انسان زینت میں داخل ہو جائے یعنی دنیا کی زینتوں میں تو اس بات سے قطعاً بے نیاز ہو جاتا ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ادنیٰ ضرورتیں مہیا نہیں ہیں کوٹھیوں کی سجاوٹ اور اعلیٰ قسم کی زندگی کے حصول کے لئے جس میں حسن زیادہ ہو، دکھاوا زیادہ ہو، لوگ دیکھیں اور کہیں کہ یہاں تو کمال ہو گیا، ایسی خطرناک دوڑ شروع ہو جاتی ہے کہ انسانی دماغ یہ توجہ ہی نہیں کرتا کہ مجھ سے نیچے ایسے لوگ ہیں جو غریب ہیں، جن کے پاس پہننے کیلئے کپڑے نہیں ہیں، جن کو روٹی میسر نہیں ہے، جن کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں۔ ادھر دیکھنے کی بجائے وہ ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جن کو زیادہ زینت مہیا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ہمسایہ ہے جس نے بہت بڑی کوٹھی بنالی ہے، ایک اور ہمسایہ ہے جس کے پاس بہت اونچی کار آگئی ہے، ایک اور ہمسایہ ہے جس نے ماڈرن فرنیچر خرید لیا ہے، ایک ایسا ہمسایہ آ گیا ہے نظر میں جس نے وڈیو ریکارڈر خریدا ہوا ہے۔ تو زینت جو ہے وہ رفتہ رفتہ تفاخر میں تبدیل ہوتے ہوتے تکاثر میں بدل جاتی ہے۔ پہلے فخر شروع ہو جاتے ہیں کہ دیکھو میرا گھر زیادہ خوبصورت ہے، میری چیزیں زیادہ اچھی ہیں۔ تو فخر جو ہے وہ پھر تکاثر کی دوڑ میں داخل ہو جاتا ہے۔ چین ہی نہیں آتا جب تک ایک دوسرے سے سبقت نہ لے جائیں۔ اور یہ تکاثر بالآخر انسانی ذہن اور توجہ کو اس طرح مسخ کر دیتا ہے کہ مال کی ذاتی محبت غلبہ پا جاتی ہے اور قوت کی ذاتی محبت غلبہ پا جاتی ہے۔

سیاسی برتری اور اموال کی برتری اسی کے دو نام ہیں۔ امیر قومیں بالآخر ان دو چیزوں میں

مبتلا ہو جاتی ہیں اور تمام نیکیوں سے محروم کرنے اور تمام برائیوں کو پیدا کرنے کی ذمہ دار یہ چیزیں ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آخر پہ کیا ہوتا ہے؟ ان چیزوں کی پیروی کچھ دیر لذتیں بخشتی ہے، لیکن ان کے حصول کے بعد رفتہ رفتہ انکی لذتیں ختم ہونے لگ جاتی ہیں۔ انسان جس کو لہلہاتی ہوئی کھیتی سمجھ رہا تھا، جسکی طرف دوڑ رہا تھا۔ خوش ہو رہا تھا کہ اب مجھ پر گویا فضل نازل ہو گیا ہے، بہت خوبصورت نظر آنیوالا انسان بن گیا ہوں، میری طرف توجّہات مبذول ہو رہی ہیں، جس طرح کھیتی لہلہاتی ہے، اس طرح دنیا کے یہ رزق اور دنیا کے پانی مجھے راس آ گئے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں انسان دیکھتا ہے کہ یہ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں زردی میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ لذتوں کا حصول جس کی وہ پیروی کرنا چاہتا تھا وہ اسے حاصل نہیں ہوتا۔ کچھ دیر کے بعد بے چینی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ انسان جوانی سے بڑھاپے میں داخل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ قومیں ایک حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف جا کر ان حالتوں میں کھو جاتی ہیں اور قومی طور پر ان پر بڑھاپا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا اس زندگی میں، وہ دوسروں کو تو خواہ کتنا ہی حسین نظر آ رہا ہو، خود فی ذاتہٖ وہ قومیں اس کی لذت سے محروم ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ انسان اپنے اوپر بھی دیکھے تب بھی یہی بات صادق آتی ہے اور قومی نظر سے دیکھے تب بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ ایک آدمی ایک چیز حاصل کر کے چند دن اس پہ خوش ہو جاتا ہے۔ جس طرح بچہ کھلونے سے کھیلتا ہے کچھ دیر اس کو بڑا مزا آتا ہے لیکن وہی کھلونا پرانا ہو کر اس کے لیے بے معنی ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی کو پہلی دفعہ کیمرہ ملتا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوتا ہے تصویریں کھینچتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کیمرے سے اس کی دلچسپی ختم ہو کر اور کیمروں کی طرف ہو جاتی ہے جو اس کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ اور یہ جو مزید کی خواہش ہے یہ اس کے اندر بے قراری پیدا کر دیتی ہے۔ جو حاصل ہوا ہے اس پر اطمینان نہیں رہتا، انسان ایک نئی کوٹھی میں داخل ہوتا ہے۔ بڑا مزہ آ رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اپنائیت کی وجہ سے بوریت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کہتا ہے اوہو، فلاں کی جو کوٹھی میں نے دیکھی تھی وہ تو بہت اچھی تھی۔ تو سبز نظر آنے والی ہر چیز اس کے لیے زردی میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنے انجام کو پہنچتا ہے تب اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کہ زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ میں خواہ مخواہ اس کی پیروی کرتا رہا۔ ایک چیز سے اچھل کر دوسری کی

طرف مائل ہوا، دوسری سے تیسری کی طرف۔ آخر کار میرے ہاتھ سوائے اسکے کچھ بھی نہیں آیا کہ جو کچھ میں نے پایا تھا۔ اس کو میں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ جو لذتیں حاصل کی تھیں وہ لذتیں بالآخر زائل ہو گئیں اور سوائے خواب اور دھوکے کے میرے پاس کچھ بھی نہیں انجام کار اس کو یہ معلوم ہوتا ہے۔

قوموں کا بھی یہی حال ہے یورپ میں جانے والے جانتے ہیں کہ ساری یورپین تہذیب اپنے ماحصل سے مایوس ہو چکی ہے۔ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا لذتوں میں وہ اب ان کے لیے پرانا ہو گیا ہے۔ نئے نئے رستوں کی تلاش کرتے ہیں اس سے زیادہ ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تکاثر کے نتیجے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی جس قومی دوڑ میں داخل ہو گئے ہیں اس نے خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان کو نظر آرہا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا تھا دیکھتے دیکھتے یہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیگا۔ انتہائی مایوسی کا عالم ہے۔ یورپ میں جتنی بھی نئی موومنٹس چل رہی ہیں وہ اس بات کی مظہر ہیں کہ قرآن کریم کا یہ بیان سچا ہے کہ کچھ عرصے تک لذتوں کے حصول کے بعد تم خود ان لذتوں میں دلچسپی کھو دو گے۔ بالآخر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا۔

مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ آج مغرب کی آواز بھی یہی اٹھ رہی ہے کہ ہم نے کیا حاصل کیا؟ حقیقت میں ہمیں چین نصیب نہیں ہوا۔ اتنی بے چینی، اتنی بیقراری ہے آج ان ترقی یافتہ قوموں میں، اگر خودکشی کا رجحان کوئی پیمانہ ہوسکتا ہے تو سب سے زیادہ خودکشی آج ترقی یافتہ قوموں میں پائی جاتی ہے۔ اگر پاگل پن کوئی پیمانہ ہوسکتا ہے تو اس کثرت کے ساتھ پاگل پیدا ہورہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ ان قوموں کے پاس ذرائع بہت زیادہ ہیں اور ہمارے ملک کے پاگل خانوں کی نسبت انہوں نے سینکڑوں گنا زیادہ پاگل خانے بنائے ہوئے ہیں، پھر بھی وہ پاگل خانے بھر جاتے ہیں اور پاگل رکھنے کی جگہ نہیں ملتی پھر وہ دوسرے Homes بناتے ہیں۔ پھر ایسی اور سوسائٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کی مدد کیلئے۔ چنانچہ صرف امریکہ میں اتنے پاگل خانے ہیں کہ (انکی Exact گنتی تو مجھے یاد نہیں لیکن) میرا اندازہ یہ ہے کہ اگر ہندوستان اور پاکستان بلکہ سارے مشرق کے پاگل خانے ملا لیے جائیں تو اس سے کئی گنا زیادہ صرف امریکہ میں پاگل خانے ہیں اور کیوز Cues لگے ہوئے ہیں اور باری نہیں آرہی۔ اور کچھ مینٹل ہومز (Mental Homes) ہیں جو اس کے علاوہ ہیں۔ ذہنی بے چینی کا اسوقت یہ عالم ہے کہ صرف ویلیئم (Valium) پر، جو ایک معمولی سی دوائی

ہے، پچاس کروڑ ڈالر یا پانچ ارب روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے، جو بعض مما لک کی آمد سے بھی بڑھکر ہے۔ وہ صرف ذہنی بے چینی کو دُور کرنے کے لیے ایک دوائی کے اوپر خرچ کر رہے ہیں اور سارے Drugs پر امریکہ میں جو خرچ ہو رہا ہے وہ مشرق کے بہت سارے ملکوں کی اجتماعی دولت سے بھی زیادہ ہے۔

یہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ ان کا دل گواہی دے رہا ہے کہ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ہم نے جو کوشش کی تھی حصول لذت کی، اس میں ہم نا کام ہو گئے ہیں۔ ایک منزل سے دوسری کی طرف بڑھے، دوسری سے تیسری کی طرف بڑھے۔ یہاں تک کہ بالآخر ہم نے یہ دیکھا کہ وہ سب کچھ جو ہمارا ماحصل تھا وہ ایک ایسی زردی میں تبدیل ہو گیا ہے جس میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ سبز کھیتی جس طرح لذت عطا کرتی ہے نگاہ کو۔ اگر وہ پھل دینے سے پہلے مرنی شروع ہو جائے تو زمیندار کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ نقشہ قرآن کریم کھینچ رہا ہے۔ بیچ میں کہیں پھل کا ذکر نہیں۔ فرماتا ہے کھیتیاں لہلہاتی تو نظر آئیں گی تمہیں، لیکن انکو پھل نہیں لگے گا وہ دیکھتے دیکھتے خشک ہونے لگیں گی اور خشک ہو کر جب زردی میں تبدیل ہوں گی پھر تمہیں تکلیف ہونی شروع ہو گی اور اس تکلیف کے نتیجے میں تم محسوس کرو گے جو کچھ ہم نے حاصل کیا تھا سب ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ کچھ بھی ہمارے پاس نہیں رہا۔ تب دل کی آواز اٹھتی ہے مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یہ ویسا ہی نقشہ ہے جس طرح انفرادی طور پر ہر انسان کی زندگی میں آتا ہے۔ میر درد نے اسی حالت پر غور کیا تو یہ شعر کہا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

جب انسان موت کے قریب آتا ہے تو ہر فرد بھی یہی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ خواہ مخواہ کی دوڑ دھوپ لگائی ہوئی تھی ہم نے۔ جو کچھ حاصل کیا تھا وہ تو ہم پیچھے چھوڑ کے جا رہے ہیں اور جو حاصل کیا تھا وہ چینِ جان اور آرامِ دل پیدا نہیں کر سکا۔ نا کامی اور حسرت کے ساتھ ایسے لوگ جان دیتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ انجام کار پھر یہ ایسے دور میں داخل ہو جائیں گے کہ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ شدید قسم کا عذاب آخرت میں ان کے لیے مقدر ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ عذاب اس دنیا میں شروع ہو جاتا ہے، فرداً فرداً بھی وہ

لوگ جو خدا سے غافل ہو کر ان چیزوں کی پیروی کرتے ہیں ان کی زندگی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتی ہے اور بالآخر یہ عذاب بڑھتا رہتا ہے اور قومی لحاظ سے بھی شدید عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو آخرت سے اس دنیا کا انجام بھی مراد ہے اور اس دنیا کے بعد اگلی دنیا میں جو کچھ پیش آنا ہے اس کا بھی ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صرف عذاب ہی کی خاطر انسان کو پیدا نہیں کیا گیا۔ ناکامیوں اور مایوسیوں کیلئے تو پیدا نہیں کیا گیا۔ یہ سارے جذبے جو بیان کئے گئے ہیں، یہ محرکات ہیں زندگی کے۔ اگر ان کا صحیح استعمال شروع ہو جائے تو اس کے نتیجے میں مغفرت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے اور رضائے باری تعالیٰ بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ بنیادی طور پر زندگی کی شکل وہی رہے گی جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس سے تبدیل شدہ کوئی شکل بیان نہیں کی گئی۔ مگر یہ سارے جذبے جو انسان کو ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف لے کر جاتے ہیں ان کو ایسا رخ دیا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضوان کا موجب بن جائیں۔

فی ذاتہٖ کھیل کود اور لہو و لعب یا عیش و عشرت ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کلیتہً جدا ہو ہی نہیں سکتا، ناممکن ہے۔ لیکن ہمیشہ جب کھیل کود خدا تعالیٰ کی محبت کے مقابل پر آئے اور کھیل کود کو انسان قربان کر دے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو اختیار کر لے تو یہی انسانی جذبہ مغفرت اور رضوان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

شہوات نفسانی بھی انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ مومن کی زندگی میں شہوات کا کوئی دخل نہیں۔ مگر جب وہ تابعِ مرضیٔ مولیٰ ہو جائیں تو مغفرت اور رضا کا موجب بن جاتی ہیں۔ اور خدا کی خاطر شہوات چھوڑنے کا نام اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

پھر زینت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومن بھی زینت اختیار کرتے ہیں لیکن ان کی زینت کا تصور بدل جاتا ہے وہ لباس التقویٰ میں زینت حاصل کرتے ہیں۔ اس سے عاری رہ کر تو کوئی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ زینت کی تمنا تو ہر انسان کو حاصل ہے۔ مگر اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات:۱۴) وہ ایسی زینت اختیار کرنے لگ جاتے ہیں جس میں ان کو ظاہری زینت کی نسبت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے اور چین دل وہ بھی پا رہے ہیں اس زینت میں، لیکن وہ مختلف قسم کی زینت ہے۔ اور اس کے

نتیجے میں جب وہ ایسی زینت حاصل کرتے ہیں تو ان میں بھی رشک کے جذبے ہیں۔ وہ بھی چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے بڑھیں۔ لیکن وہ جو سبقت ہے اسکا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید:۲۲)

ان کے اندر بھی مسابقت کی روح پیدا ہوتی ہے، وہ بھی چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں، لیکن انکی سبقت کا رُخ بدل جاتا ہے۔ وہ اموال اور اولاد میں سبقت کی بجائے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے حصول میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور رضائے باری تعالیٰ میں سبقت کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ فرماتا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۲﴾ ایک ہی قسم کی زندگی میں مبتلا ہونے والے دو قسم کے لوگ دکھائے گئے ایک وہ جو دنیا کو اپنا مدعا اور شعار بنا لیتے ہیں۔ ایک وہ جو دنیا میں رہتے ہوئے، بظاہر اس قسم کی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ کو اپنے رب کو اپنا مدعا اور مطلوب بنا لیتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی زندگی ناکام نہیں ہوتی۔ نہ اِس دنیا میں ان کو عذاب نصیب ہوتا ہے نہ اُس دنیا میں ان کو عذاب ملتا ہے۔ اِس دنیا میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں اور اُس دنیا میں بھی وہ اللہ سے راضی رہیں گے۔ اِس دنیا میں بھی اللہ کی مغفرت کے نمونے دیکھتے رہتے ہیں اور اُس دنیا میں بھی اللہ کی مغفرت کے نمونے دیکھیں گے۔

پس یہ وہ پاکیزہ نقشہ ہے اور موازنہ ہے چند الفاظ میں، جس میں ساری انسانی زندگی کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ جماعت احمدیہ کو چاہئے کہ وہ خصوصیت کے ساتھ اِن تمام چیزوں میں یہ پیش نظر رکھے کہ نہ لعب غالب آئے، نہ لَہوْ غالب آئے، نہ زینت غالب آئے، نہ تفاخر غالب آئے، نہ تکاثر غالب آئے۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں کہ اگر وہ دنیا کے لحاظ سے قوموں پر غالب آجائیں تو قومیں تباہ ہو جایا کرتی ہیں۔ بلکہ ان سارے جذبات کو مذہبی اقدار میں تبدیل کریں اور مذہبی اقدار کی پیروی کی طرف اپنی توجّہات کو مبذول کر دیں۔

لذتوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ یہ وعدہ فرما رہا ہے کہ تمہیں کم نہیں حاصل ہوں گی۔ مثلاً لہو ہے

لہو اختیار کرنے میں بھی ایک لذت ہے۔ مگر اللہ کی خاطر چھوڑنے میں بھی ایک لذت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لذت زیادہ ہے۔ زینت میں لذت تو ہے لیکن ظاہری زینت میں بھی ایک لذت ہے اور باطنی زینت میں بھی ایک لذت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو باطنی زینت حاصل ہو جائے ان کو ظاہری زینت کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اور بے نیازی بتا رہی ہے کہ اندرونی زینت زیادہ لذت کا موجب ہے اسی طرح تکاثر جو ہے یعنی مال اور اولاد میں تکاثر، جب مغفرت اور رضوان کے تکاثر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے دوڑ شروع ہو جاتی ہے مومنوں کی کہ ہم رضائے باری تعالیٰ کو زیادہ حاصل کریں، تو اس میں ایسی لذت پاتے ہیں وہ ان ساری چیزوں کو حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پھر یہ ساری چیزیں وہ شوق سے اللہ کے سامنے نچھاور کر دیتے ہیں۔ ان کو ان کی پرواہ ہی نہیں رہتی۔ ان سے بے تعلق Detach ہونے لگ جاتے ہیں اور ان کو یوں نظر آتا ہے کہ جس طرح ان میں جان ہے ہی کوئی نہیں۔ دیکھتے ہی اس کو زرد ہیں۔ دنیا کو ایسی حالت میں دیکھتے ہیں جو ان کی کشش کو جذب نہیں کر سکتی۔ بے کیف زندگی دکھائی دیتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس سے ایک علیحدہ زندگی بسر کرنے لگ جاتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی توجہ کو اب زیادہ بہتر مقصد مل گیا ہے۔

یہ وہ نقشہ ہے جو جماعت کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ اس کو اختیار کئے بغیر ہم دنیا میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ وہ اسلامی معاشرہ ہے جس کی تصویر کھینچی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے آخر پر جس کی تصویر کھینچی ہے۔ جب تک ہمیں یہ معاشرہ حاصل نہیں ہوتا ہم دنیا کے معاشرے کو بدل نہیں سکتے۔ بلکہ جب بھی ہم میں سے کوئی اس معاشرے میں جائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا۔

میں نے دیکھا ہے کمزور طبیعت کے لوگ انگلستان اور یورپ کے سفر میں جب ظاہری طور پر لہو ولعب کو کُھل کھیلتا دیکھتے ہیں تو بے انتہا مغلوب ہو جاتے ہیں ذہنی طور پر۔ وہ سمجھتے ہیں لو جی، اصل زندگی تو ہے ہی یہی۔ ہم تو خواہ مخواہ خراب ہی رہے دنیا میں، ہم نے کیا حاصل کیا۔ کچھ بھی نہیں۔ رہنا ان کو آتا ہے، پہننا ان کو آتا ہے، اوڑھنا بچھونا ان کو آتا ہے۔ کیسی خوبصورت گلیاں ہیں، کیسے خوبصورت محل بنے ہوئے ہیں، خوبصورت Beaches ہیں، سمندر کے کنارے ہیں، باغات ہیں،

پارک ہیں، تو ساری زندگی یہیں پڑی ہے۔ ہم تو خواہ مخواہ جس کو پنجابی میں کہتے ہیں ’’ جُجّل خراب ہی ہوندے رَئے اَسی‘‘۔ یعنی عمر ضائع اور خراب کردی اپنی۔ تو وہ یہ تاثر لے لیتے ہیں۔ کیوں لیتے ہیں؟ اس لیے لیتے ہیں کہ اس کے مقابل پر ان کی ذات میں کوئی اعلیٰ اقدار نہیں ہوتیں جن سے وہ راضی ہوں۔ خالی برتن لے کے جاتے ہیں، اس لیے وہ اس گندگی سے بھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سب اقدار کے بدلے تم بہتر اقدار اپنے اندر پیدا کرو اور مغفرت اور رضوان میں سبقت لے جانے کی عادت ڈالو۔ جب تمہاری توجہ اپنے رب کی طرف مبذول ہو جائیگی اور اس کی رضا کی طرف مبذول ہو جائے گی تو یہ چیزیں لذت کھو دیں گی۔ پھر تم ان کو کھوکھلے برتنوں کی طرح دیکھو گے۔ تم نظر تو ڈالو گے ان پر، لیکن رحم کی نظر ڈالو گے رشک اور حسد کی نظر نہیں ڈالو گے۔ تم اپنے آپ کو بہتر انسان سمجھو گے۔

چنانچہ دونوں نظر سے جائزہ لینے والے وہاں میں نے دیکھے۔ بعض عدم تربیت یافتہ نوجوان احمدی بھی ایسے تھے جو یورپ سے مغلوب ہو جاتے تھے اور بعض ایسے سنجیدہ قسم کے لوگ تھے جن کو عبادت کی لذتیں حاصل تھیں، جن کو ذکر الٰہی کا مزہ حاصل تھا، جو جانتے تھے کہ مذہبی اقدار ہی باقی رہنے والی اقدار ہیں، وہ نہایت حسرت کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتے تھے اور رحم کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتے تھے کہ یہ قومیں ذلیل اور تباہ ہو رہی ہیں۔ باوجود اپنی عظمتوں کے ان کو کچھ بھی نہیں مل رہا۔ چنانچہ بکثرت مجھے ایسے احمدی خاندان ملے کہ ان کو وہاں دنیا کمانے کے بہترین ذرائع میسر ہیں۔ لیکن ایسا دل اچاٹ ہو گیا ہے ان چیزوں سے کہ وہ مجھ سے اجازتیں لیتے تھے کہ باوجود اس کے کہ بظاہر پاکستان میں ہمارا کوئی مستقبل نہیں ہے، ہمیں اجازت دیں ہم اس ملک کو دفع کر کے وہاں واپس پہنچ جائیں۔ ایسی مائیں میرے پاس آئیں جو زارو قطار رو رہی تھیں۔ اس قدر درد تھا ان کے دل میں کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ بات نہیں کی جاتی تھی۔ ان کا درد مجھے بھی مغلوب کر رہا تھا۔ آخر پر جب پوچھا کہ آپ کو کیا غم لگ گیا ہے۔ انہوں نے کہا غم کیا لگ گیا ہے۔ میرے بچے جو بڑے ہوئے ہیں ان میں سے بعض مغربی زندگی سے متاثر ہو کر سمجھتے ہیں کہ زندگی کی لذتیں یہی ہیں اور میں جانتی ہوں کہ یہ ان کی تباہی اور ہلاکت ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ کچھ بچے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احساس اور درد رکھتے ہیں۔ وہ مجھ پہ زور دیتے ہیں کہ اس جگہ کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ ہمیں

یہ ملک نہیں چاہئے ۔ نہ ہمیں یہاں کی مال و دولت چاہئے ، نہ یہاں کی تعلیم چاہئے ، نہ ہمیں یہاں کی بڑائیاں چاہئیں ۔ پاکستان میں جا کر غریبانہ گزارا کر لیں گے، مگر ان چیزوں میں پڑ کر ہم ہلاک نہیں ہونا چاہتے۔

ایسی عورت ایک نہیں دو تین نہیں تھیں ۔ بہت ساری ایسی مائیں مجھے ملیں جنہوں نے یہی درخواست کی کہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس وطن کو چھوڑ کر نکل جائیں ۔ بہت سے ایسے نوجوان ملے جنہوں نے کہا کہ بظاہر ہم یہاں بہت خوش ہیں، ہمیں کوئی تکلیف نہیں، Job بھی ہے ۔ لیکن دل اچاٹ ہو گیا ہے بری طرح ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے ان چیزوں کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے ۔ آج ہمیں کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن ہمیں پتہ ہے کہ کل ہمارے بچے جب بڑے ہوں گے تو وہ تباہ ہو جائیں گے ۔ اس لیے ہمیں اجازت دیں کہ ہم واپس آجائیں۔

میرا دل حیران بھی ہوتا تھا اس نظارے سے اور خوش بھی ہوتا تھا کہ خدا کے ایسے مومن بندے، باوقار بندے، آزاد بندے جماعت احمدیہ کے افراد کی حیثیت سے، یورپ میں بس رہے ہیں جن پر اس سوسائٹی کا ادنیٰ سا بھی اثر نہیں ہے ۔ ایک ماں روتی ہوئی آئی اور مجھے کہا کہ میرے بعض بچے دین میں کم دلچسپی لے رہے ہیں اور میں سوچ رہی ہوں کہ میری زندگی کی ساری کمائی ضائع ہو گئی ۔ آخر میں نے یہاں آکر محنت کی تھی، ان بچوں کو بنایا تھا ۔ ان کو اس لیے بنایا تھا کہ یہ کچھ حاصل کر جائیں ۔ مگر دنیا حاصل کر لیں اور دین کھو جائیں، یہ تو میرا مقصد نہیں تھا ۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ میں ایک ویرانے میں پہنچ گئی ہوں ۔ ساری زندگی کی کمائی آخر پر حسرت کے سوا کچھ نہیں رہی ۔ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا کا کیسا اچھا نظارہ انہوں نے کھینچا ۔ لیکن ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سوکھی کھیتی کو پھر ہرا بھرا کر دے ۔ چنانچہ اس کے کفارے کے طور پر انہوں نے اپنے ہاتھ کا سارا زیور اتار کے دین کے رستے میں پیش کر دیا کہ اگر میری گریہ وزاری قبول نہیں ہوتی تو خدا اس بات پر رحم کرے اور دیکھ لے کہ مجھے دنیا کے مال سے کوئی محبت نہیں مجھے میری اولاد چاہئے ۔ اس لیے میری دعا ہے کہ اللہ مجھے میری اولاد واپس کر دے۔

میں نے یہ مضمون اس لیے چھیڑا ہے کہ آپ بھی حقیقت میں آزاد مردوں اور آزاد عورتوں کی طرح زندگی گزاریں یعنی دنیا کی لذتوں سے آزاد اور صرف اللہ کی طرف جھکنے والے ۔ کیونکہ جو لوگ

باہر گئے ہیں انہوں نے بغور قریب سے اس سوسائٹی کا مطالعہ کر کے وہی نتیجہ اخذ کیا ہے جو قرآن کریم ان آیات میں پیش فرما رہا ہے۔ اور جہاں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعائیں کریں وہاں اپنے ان بھائیوں اور بہنوں اور بچوں کے لیے بھی دعائیں کریں جو غیر ملکوں میں بس رہے ہیں۔

کئی قسم کے خطرات ان کو درپیش ہیں اور ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ ہم ان سب کو واپس آنے کی بھی اجازت نہیں دے سکتے۔ ان سے میں کہتا ہوں کہ اگر تم نے وہاں اسلام کا جھنڈا نہ گاڑا، اگر تم نے وہاں مضبوط قدموں کے ساتھ پیش قدمی نہ کی اور مغلوبیت کے خوف سے بھاگ آئے تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کا، کون آئے گا جو اس دنیا کو پیغام دے گا؟ اس لیے زخم بھی لگتے ہیں اس راہ میں۔ ان زخموں کو اس وجہ سے قبول کرو کہ آخر تم نے دنیا پر فتح یاب ہونا ہے۔ زیادہ دعائیں کرو، زیادہ توجہ کرو، اولاد کی تربیت کی زیادہ کوشش کرو۔ کیونکہ اگر ہم نے یہ نہ کیا اور مغرب سے ڈر کے مارے ہم بھاگ آئے تو پھر ان کو بدلے گا کون؟ پھر تو مجھے کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی جو ان کی ہلاکت کی تقدیر کو بدل سکے۔

پس جہاں اپنی حفاظت کریں، ان لذتوں میں اپنے آپ کو ضائع نہ کریں، اپنے وقار کو قائم رکھیں اعلیٰ مقاصد کی حفاظت کریں، اپنی ذات میں وہ عظمت کردار حاصل کریں جو سب سے زیادہ انسان کو لذت پہنچاتی ہے اور تسکین بخشتی ہے، وہاں اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کے لیے بھی دعائیں کریں جو غیر قوموں میں آج اسلام کے سفیر بنے ہوئے ہیں۔ خدا کرے ہر میدان میں ان کو فتح نصیب ہو اور ایسی فوجوں میں تبدیل نہ ہو جائیں جو فتح کرنے جاتی ہیں لیکن اُن کے سارے سپاہی وہیں کٹ مرتے ہیں اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کچھ زخم تو لگیں گے اس راہ میں۔ جہاد میں لگتے ہی ہیں۔ لیکن بالآخر فتح ہمارے مقدر میں لکھی جانی چاہئے۔ غیر کے مقدر میں نہیں لکھی جانی چاہئے۔ اس کے لیے بہت دعاؤں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کے دین کا جھنڈا ہم اس مضبوطی سے مغربی اقوام میں گاڑ دیں کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے وہاں سے اکھاڑ نہ سکے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴/ نومبر ۱۹۸۲ء)